© rasailojaraid.com

برطانوی عہد میں انگریزی زبان کی ترویج

عذرا وقار

برصغیر پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا آغاز اٹھارویں صدی کے آخر میں ہو گیا تھا- کمپنی کے حکام نے پہلے پہل تو یہاں کی سرکاری زبان فارسی کو جوں کا توں رہنے دیا پھر رفتہ رفتہ اس کی جگہ انگریزی کو رائج کر دیا- اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اردو زبان کو جو پہلے ہندوستانی کہلاتی تھی فروغ دے کر اسے فارسی کی جگہ متعارف کروایا اور اسے یہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں استعمال کیا- یہاں کی یہ پرانی زبان جو کہ ایک مخلوط زبان تھی اس کے لئے دو رسم الخط رائج کئے گئے- فارسی رسم الخط میں وہ اردو کہلائی اور دیوناگری رسم الخط میں ہندی- یہ دونوں بالترتیب مسلمانوں اور ہندوؤں کی زبانیں بن گئیں- مگر بعد ازاں خود ہی اردو کے مقابلے میں دیگر مقامی زبانوں کو آگے لانے کی ترکیبیں ہونے لگیں- دراصل یہ سب کچھ انگریزوں کی اس سیاسی حکمت عملی کا حصہ تھا جس کے ذریعے وہ یہاں کے لوگوں پر زیادہ سے زیادہ عرصہ حکومت کو قائم رکھنے کے لئے تدابیر کر رہے تھے- چنانچہ انہوں نے یہاں کی لسانی پالیسی کو اس ڈھب سے ڈھالا کہ لوگ کوئی واضح سوچ اپنانے کی بجائے ذہنی کشمکش کا شکار ہو گئے- اسی کے نتیجے میں یہاں کے لوگ انگریزی جاننے والے اور نہ جاننے والے دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے جس کے باعث لوگوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں جیسے ہی برصغیر پاک و ہند میں آزادی اور خود مختاری کے رجحانات پیدا ہوئے قوم اور قومی زبان کے سوالات از خود پیدا ہو گئے- انہیں رجحانات نے آگے چل کر برصغیر کو زبان کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دو علیحدہ علیحدہ مملکتیں وجود میں آ گئیں-

سرکاری سطح پر استعمال کی جانے والی زبان کسی بھی حکومت کا اہم ہتھیار ہوتی ہے جس کے ذریعے کچھ لوگ اقلیت میں رہ کر اکثریت پر برتری حاصل کر سکتے ہیں- چنانچہ جس اقلیت کے ہاتھ میں سیاسی، ثقافتی اور معاشی طاقت ہوتی ہے وہ کوئی خاص زبان استعمال کرتے ہیں تاکہ دوسری زبانیں بولنے والے لوگوں کی اعلیٰ مراتب تک رسائی نہ ہو سکے- اس کے علاوہ چونکہ علمی، ثقافتی و تخلیقی کام، بحث و مباحث بھی اسی زبان میں تخلیق ہوتے ہیں اس لئے اس زبان میں موجود اخلاقی و سماجی قدروں کی ہی ترسیل بھی ہوتی ہے اور یوں وہ طبقہ اعلیٰ کے خیالات کو پھیلانے کا باعث بنتی ہے- اس کے برعکس عام بول چال کی زبان انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بے انتہا اہمیت کی حامل ہوتی ہے- کیونکہ کسی قوم کے عادات و اطوار، طرز زندگی اور تہذیب و معاشرت کو متعین کرنے یا بدلنے میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے- پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم زبانی ہم خیالی کے ساتھ مستلزم ہے اور ہم خیالی سے تہذیب و تمدن میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے حکمرانوں اور محکوموں کے مختلف زبانوں کو اختیار کرنے سے دونوں طبقوں میں فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ حکمران قوم کی زبان محکوموں کی زبان کو متاثر کرتی ہے اور زبان کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کا تمدن و تہذیب بھی محکوموں میں مقبول ہو جاتا ہے اور وہ اپنے شعار و عادات و اطوار کو بھول کر حاکم قوم کے عادات و اطوار اپنا کر غلامانہ ذہنیت کے مالک بن جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جب مسلمان برصغیر پاک و ہند میں فاتحین کی حیثیت سے داخل ہوئے تو اپنا نظامِ تعلیم بھی ساتھ لائے تھے۔ ان کی مذہبی زبان عربی اور مادری زبان فارسی اور ترکی تھی۔ فارسی زبان نے یہاں آ کر اپنے قدم جمالئے اور یہی زبان یہاں کی سرکاری، عدالتی اور تعلیمی زبان قرار پائی۔ فارسی کی ادبی اقدار یہاں کی تہذیبی زندگی کے محرک اور غالب عنصر کے طور پر ابھریں۔ یہاں فارسی تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھ گیا اور جو لوگ سرکاری ملازمت حاصل کرنا چاہتے تھے وہ ان اداروں میں فارسی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس دور[۱] میں ہندوؤں نے فارسی علم و ادب میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی اور احکام و امراء کے ساتھ منشی کی حیثیت سے ملازم ہوتے تھے۔ فارسی تحصیلِ علم سرکاری نوکری کے لئے تو ضروری تھی مگر نظام تعلیم میں عربی زبان کو تب بھی فوقیت حاصل تھی۔ ابتدائی جماعتوں میں قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا، حساب کتاب اور خوش نویسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جن طلباء کو آگے پڑھنا ہوتا وہ قصبات کے فارسی مکاتب میں داخل ہوتے جہاں فارسی میں خط و کتابت، اخلاقی حکایات، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا اور انوار سہیلی جیسی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور فارسی زبان میں انشاء پردازی کا فن سکھایا جاتا تھا۔ یہ گویا ثانوی تعلیم تھی جس کے بعد طلباء یا تو سرکاری ملازمت سے منسلک ہو جاتے یا کاروبار میں لگ جاتے۔ اعلیٰ تعلیم سے شوق رکھنے والے طلباء بڑے بڑے شہروں میں مشہور اساتذہ علم و فن کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیلِ تعلیم کرتے تھے جہاں فارسی و عربی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں مدارس کے لئے علیحدہ عمارات نہیں بنائی جاتی تھیں اور ابتدائی تعلیم مساجد میں دی جاتی تھی۔ محمود غزنوی کے جانشین مسعود کے عہد میں بہ کثرت مساجد کی بنیاد پڑی جن کے ساتھ مدارس کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ بزرگان دین کی خانقاہیں بھی مدارس کا کام دیتی تھیں۔ اس عہد کے مشائخ اساتذہ بھی تھے اور طلباء کو شریعت کی تعلیم دیتے تھے۔ ان خانقاہوں کے لئے جو اوقاف مقرر تھے ان کی آمدنی طلباء کے وظائف اور تعلیم کے اخراجات پر خرچ کی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ بادشاہوں اور امرائے دربار کے عظیم الشان مقبروں کے ساتھ بھی مدارس کا قیام ضروری تھا۔ چونکہ سلاطین کو مساجد اور مدارس بنوانے کا شوق تھا اس لئے امراء بھی ان کی پیروی کرتے۔ پھر بڑے بڑے علماء کے مکان بھی دارالعلوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ حکومت نے ان علماء کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا تھا اور علم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمت کے پیاسے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں بھی اورنگ زیب عالمگیر کے وقت بنگال میں اسّی ہزار مدرسے تھے۔ تعلیم کا میدان ہر جگہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے ورثاء اور لکھنؤ میں فرنگی محل مسندِ درس سنبھالے ہوئے تھے۔ یہ تعلیم فارسی زبان میں دی جاتی۔ فارسی تعلیم[۲] کا یہ ڈھانچہ سلاطین دہلی سے لے کر انگریزوں کے عہد تک رہا۔

مسلمانوں نے یہاں آ کر نہ صرف عربی اور فارسی زبان میں لوگوں کو تعلیم دینا شروع کی اور فارسی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر اپنا لیا بلکہ انہوں نے یہاں آ کر رعیت اور انتظامیہ کی سہولت کی خاطر یہاں کی مقامی زبانیں بھی سیکھیں۔ چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں عربی و فارسی اور مقامی زبانوں کے ملاپ سے ایک نئی مخلوط زبان وجود میں آئی۔ یہ زبان جو ہندوستانی کہلائی اور آگے چل کر ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی روزمرہ زبان قرار پائی اور عوام میں مستعمل ہو گئی۔ صوفیائے کرام نے بھی اس سے تبلیغ کا کام لے کر اسے مقبول بنایا۔ اٹھارویں صدی تک اس زبان نے بہت ترقی کر لی۔ چنانچہ جب انگریز یہاں آئے تو انہوں نے فارسی زبان کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبان بھی سیکھی[۳]۔ چونکہ یہ زبان فوجی لشکروں اور مقامی لوگوں کے میل جول سے پیدا ہوئی تھی اور اردو کے معنی لشکر کے ہیں اس لئے اسے اردو بھی کہا جانے لگا۔

اٹھارویں صدی کے آخر تک انگریز برصغیر کے خاصے علاقے میں حکومت قائم کر چکے تھے۔ لارڈ ویلزلی ۱۷۹۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر بن کر آیا اور آئندہ پچاس سال میں کمپنی کے حلقہ اقتدار میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کو ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین سول و فوجی کو نہ صرف فارسی اور اردو کی تعلیم دی جاتی بلکہ انہیں مشرقیات سے پورے طور پر واقف کرایا جاتا۔ یہاں اردو کے پروفیسر گلکرسٹ تھے جن کی سربراہی میں فارسی و ہندی سے اردو میں تراجم کرائے جاتے اور اس کے علاوہ اردو میں بے شمار کتابیں بھی تصنیف کروائی گئیں[۴]۔ انگریزوں نے یہاں آ کر کلاسیکل زبانیں سیکھیں۔ یہ کوشش تین سطحوں پر جاری تھی۔ اولاً تبلیغی مقصد کے لئے، دوم تجارت و کاروباری مقاصد کے لئے اور سوم حکومتی کاروبار چلانے کے لئے۔ اس وقت کمپنی کو اپنے سول اور فوجی ملازمین کو فارسی تعلیم دلانا ضروری تھا کیونکہ حکومت سے متعلق تمام مواد اور دستاویزات فارسی میں تھیں چنانچہ فارسی جانے بغیر یہاں حکومت کرنا ناممکن تھا تا آنکہ اس تمام مواد کو کسی اور زبان میں منتقل نہ کر لیا جاتا۔ اس مقصد کے لئے کمپنی شروع میں ہر سال اپنے چند ملازمین کو دوسرے ممالک بھیجتی۔ آخر کار اپنی آسانی کے لئے یہیں پر بعض فارسی مدرسے اور اشاعتی ادارے قائم کر لئے گئے۔ ابتداء میں تو کمپنی کے ملازم محض تاجر تھے اس لئے ان میں سے چند ایک کو فارسی یا بنگالی پڑھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ فارسی وکیلوں اور منشیوں سے وہ لوگ اپنا کام نکال لیتے تھے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کمپنی نے ملک گیری شروع کی اور اس کی مملکت میں اضافہ ہوا تو کمپنی کے سامنے زبان کا مسئلہ آیا اور فارسی کی طرف توجہ دی جانے لگی- کمپنی کے بعض ملازمین نے اس زبان پر پوری دسترس حاصل کرنے کے بعد فارسی کتابوں کے ترجمے بھی کیئے [5] - دراصل فارسی زبان سیکھنا بھی ان کی اس حکمت عملی کا نتیجہ تھا جس کے تحت وہ رفتہ رفتہ یہاں کے مسائل کو سمجھ کر پھر یہاں انگریزی زبان رائج کرنا چاہتے تھے- اسی زمانے میں مقامی زبانوں میں انجیل کے تراجم ہوئے اور ان کی اشاعت ہوئی- ۱۸۲۳ء میں کمپنی نے تعلیمی انتظام کے لئے ایک جنرل کمیٹی قائم کی جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ عام تعلیم سے متعلق تحقیقات کر کے ایسی تدابیر پیش کرے جو اشاعت تعلیم کے لئے مناسب ہوں- گویا یہی حکومت کی سررشتہ تعلیم کی ابتداء تھی- چنانچہ اس کمیٹی کی سفارش پر ۱۸۲۴ء میں کلکتہ میں سنسکرت کالج اور ۱۸۲۹ء میں دہلی میں دہلی کالج برائے عربی و فارسی قائم ہوئے- بعدازاں آگرہ میں بھی ایک کالج قائم کیا گیا- پھر کچھ عرصہ بعد ان کالجوں میں انگریزی تعلیم بھی جاری کردی گئی [6] - اس جنرل کمیٹی نے ۱۸۳۱ء میں ایک رپورٹ پیش کی جس میں لکھا تھا کہ ان کالجوں کے باعث کلکتہ، بنارس، دہلی اور آگرہ میں مسلمان فقہ اسلامی اور ہندو اپنے دھرم شاستر کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور سرکاری ملازمت کا راستہ ان کے لئے کھلا تھا- ان کالجوں نے انگریز پرنسپلوں کی زیر نگرانی خاصی ترقی کی- طلبا ان کالجوں میں عربی، سنسکرت، ریاضیات، ھئیت، اور جغرافیہ پڑھتے جو کہ اردو میں پڑھائے جاتے- انگریزی اختیاری مضمون تھا- انگریز دراصل اس طرح مسلمانوں مولویوں اور ہندو پنڈتوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے- چونکہ یہاں کی تعلیم مذہب سے جڑی تھی اس لئے اس سلسلے میں ذرا سا بھی عدم توازن خطرناک ہوسکتا تھا-

زبان سے متعلق حکمت عملی وضع کرنے کے سلسلے میں انگریز حکام میں دو مکتب خیال تھے- ایک وہ جو یہاں مشرقی علوم اور زبانوں کو لاگو کرنے کے حق میں تھا اور دوسرا وہ جو یہاں مغربی علوم اور انگریزی زبان نافذ کرنا چاہتے تھے- گورنر وارن ہیسٹنگ جو کہ پہلے مکتب خیال سے تھا، نے ۱۷۷۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی شناسی کی کرسی قائم کی تاکہ سرکاری افسران ہندوستان آنے سے بیشتر فارسی اور ہندوستانی زبان سیکھ سکیں [8] - پھر سرکاری ملازمین کے لئے یہاں کی زبانوں کا امتحان لیا جاتا تاکہ یہ جانچا جاسکے کہ انہیں یہاں کی زبانوں پر کتنا عبور ہے- یہ امتحان عہد برطانیہ کے آخر تک جاری رہا- اس کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور انگریزی تعلیم کو بھی رائج کیا جارہا تھا- ۱۷۹۷ء میں سر چارلس گرانٹ نے ایک رسالہ لکھ کر کمپنی کے ڈائریکٹروں کے سامنے پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ جس طرح مسلمانوں کے عہد میں بتدریج فارسی کا عروج ہوا تھا اسی طرح اب بھی ابتداء میں ہندوستانی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اور پھر بتدریج انگریزی دیا جائے [9] - چنانچہ فارسی کو ہٹا کر اس کی جگہ پہلے اردو کو رائج کیا گیا کیونکہ کمپنی کے ملازمین کو مختلف مذاہب، زبان، طور طریقوں، عادات و اطوار والے ہزاروں افراد کے عدالتی معاملات فیصل کرکے اور اضلاع کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالگذاری کے انتظامات کرنے اور ان کے جھگڑے طے کرنے ہوتے تھے۔ اس لئے مجسٹریٹوں کے فرائض بہت اہم اور پیچیدہ ہو گئے تھے۔ معمولی منصبی فرائض کے علاوہ ججوں اور مجسٹریٹوں کو وقتاً فوقتاً گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے سامنے مروجہ قوانین کے متعلق ترمیمات وغیرہ پیش کرنی ہوتی تھیں[۱۰]۔ اس غرض کے لئے ضروری تھا کہ ملک کی عام زبان یعنی ہندوستانی زبان سے واقفیت ہو۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج میں فارسی اور سنسکرت سے اردو زبان میں بے شمار کتابیں تحریر کروائی گئیں۔ یوں جدید اردو نثر کا آغاز یہیں سے ہوا۔ کمپنی کے ملازمین یہاں فارسی اور اردو دونوں زبانیں سیکھتے۔

کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج کی وجہ سے ادب میں جدید رجحانات کا آغاز ہوا۔ اردو نثر میں اس سے پہلے جو چند کتابیں موجود تھیں وہ اس قدر دقیق، فارسی آمیز اور مقفیٰ و مسجع تھیں کہ یہ مقصد پورا نہ کرتی تھیں۔ آسان اور عام فہم زبان میں اردو نثر کو رواج دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی حکام اور خصوصاً ڈسٹرکٹ کی سطح کے افسران اردو اور دیگر مقامی زبانیں بولنے لگے۔ فورٹ ولیم کالج میں کس طرح کی اردو پیدا ہو رہی تھی اس کا اندازہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی مرتب کردہ ایک کتاب سے لئے گئے ان دو نمونوں سے ہو سکتا ہے:

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ سب سے بہتر میرے حق میں کیا ہے۔
عرض کی کہ عدل اور رعیت کا پالنا۔
ایک شخص نے ایک دولت مند دوست کو کہا۔
تو آگے محتاج تھا۔ ایسا کیا کام کیا جو دولت مند ہو گیا۔ جواب دیا کہ جو آقا کی خیر خواہی کرے گا سو
تھوڑے ہی دنوں میں مالدار ہو گا[۱۲]۔

جب فورٹ ولیم کالج میں کلاسیکی زبانوں کے تراجم کیے جاتے تو مسلمان اور ہندو دونوں اس کام میں شریک ہوتے۔ چنانچہ وہیں پر جہاں ان کے اردو تراجم کیے جاتے وہاں ہندو مترجمین اور مؤلفین فارسی رسم الخط کے بجائے اسے دیوناگری رسم الخط میں لکھنے لگے اور اردو ہی کو ایک اور رسم الخط میں لکھے جانے سے اس کا نام ہندی پڑ گیا۔ اس طرح ایک نئی زبان کے رواج کے ذریعے ہندو قومیت کے فروغ کی نئی صورت پیدا ہو گئی[۱۳]۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان انگریزوں نے اس طرح تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو مجتمع کر کے اور انہیں اقتصادی طور پر طاقتور بنایا۔ ان کے تمدن کو ممتاز ترین و قدیم ترین ثابت کر کے انہیں نظم و نسق کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بہت سی حوصلہ افزاء مراعات دی گئیں۔ انگریزوں کی اس حکمت عملی سے ہندوؤں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازش میں شامل ہو کر انہیں نقصان پہنچایا۔ انگریزوں کے ہندوؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس گٹھ جوڑ کا سبب یہ تھا کہ وہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ خوفزدہ تھے اور ان کو معاشی و سیاسی طور پر کمزور کرنا چاہتے تھے[14]- اب جو نئی ہندی لکھی جانے لگی اس میں سے فارسی الفاظ خارج کر کے سنسکرت کے الفاظ شامل کیے جانے لگے اور زبان کے حوالے سے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک نئی اکثریتی قوت ابھر کر ان کے مدمقابل آ کھڑی ہوئی-

فورٹ ولیم کالج کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے بھی مقامی زبانوں کو جدید شکل دی اور بہت سی بولیوں کو معیاری شکل دے کر ایک زبان بنایا- اس کے املا اور رسم الخط کو ہم معیار بنایا اور اسے ایک نیا نام دیا تاکہ لوگ مقامی وابستگی سے بالا ہو جائیں اور نووارد حکام ان زبانوں کو آسانی سے سیکھ سکیں- انگریزی زبان و علوم کی حمایت کرنے والے مکتب فکر کے لوگ بھی اپنا زور لگاتے رہے- سب سے پہلے انگریزی زبان کو یہاں لاگو کرنے کے حق میں چارلس گرانٹ جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائریکٹر تھا، نے اپنے دلائل دیئے کہ یہ زبان یہاں کے لوگوں تک نئے خیالات پہنچانے کا باعث بنے گی- اگرچہ اس میں یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ اس طرح جمہوریت اور آزادی کے خیالات بھی ان تک پہنچ جائیں گے- پھر بھی اس کا یہ خیال تھا کہ انگریزی پڑھ کر یہ لوگ انگریزوں کے طور طریقے اپنا لیں گے اور انگریزی زبان میں لکھے گئے مواد کو پڑھ کر خود اپنے ہی وطن کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے لگیں گے-

گورنر لارڈ کارنوالس (۱۷۸۶ء-۱۷۹۳ء) بھی یہاں انگریزی رائج کرنے کے حق میں تھا- ۱۷۹۱ء میں ایک ایکٹ کے ذریعے تمام اعلیٰ عہدوں کے لئے ہندوستانیوں کو نااہل قرار دے دیا گیا- ۱۸۳۲ء میں پارلیمنٹری کمیٹی نے مقامی لوگوں کو اس شرط پر کہ وہ انگریزی سیکھ لیں سول سروس میں رکھنے کی سفارش کی- ۱۷۷۴ء میں کلکتہ سپریم کورٹ قائم کیا گیا- یہ انگریزی لاگو کرنے کی طرف پہلا قدم تھا- ۱۸۱۶ء میں کلکتہ میں ایک اینگلو انڈین کالج کھولا گیا جس میں یورپ کی تاریخ، ملٹن اور شیکسپئر پڑھائے جاتے تھے- یہ کالج رام موہن رائے کی کوششوں کا نتیجہ تھا جو ہندوؤں کے سماجی احیاء کے لئے کام کر رہے تھے- انہوں نے ۱۸۲۳ء میں گورنر جنرل کو ایک درخواست بھیجی کہ کلکتہ کالج میں جدید تعلیم اور انگریزی پڑھائی کا انتظام کیا جائے- دراصل سارا مسئلہ اس ایک لاکھ روپے کی گرانٹ کا تھا جو کمپنی نے ہندوستان کی تعلیم کے لئے منظور کی تھی- یہ رقم عربی، فارسی اور سنسکرت کی کتابیں چھاپنے اور تعلیمی وظائف دینے کے لئے خرچ کرنے کی تجویز تھی- اس رقم کو مناسب طریقے سے خرچ کرنے کے لئے ۱۸۲۳ء میں ایک تعلیمی کمیٹی قائم کی گئی- اس کمیٹی کے کچھ ارکان عربی اور سنسکرت کو بنیادی اہمیت دیتے جبکہ کچھ دوسروں کا اصرار تھا کہ یہ حیثیت انگریزی علوم و فنون کو ملنی چاہیئے- تعلیمی کمیٹی کا یہ جھگڑا بالآخر گورنر جنرل کے سامنے کونسل کے اجلاس میں رکھا گیا جس نے انگریزی کے حق میں فیصلہ دیا- انگریزی تعلیم کے پھیلانے سے لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ اس کے ساتھ ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں پر عیسائیت کو پھیلانے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔ خصوصاً عیسائی مشنریوں نے یہاں تعلیم پھیلانے کے لئے خصوصی محنت کی اور بے شمار مشنری سکول کھولے۔ چونکہ ہندو مذہب کے لوگ اپنے مذہب سے جذباتی لگاؤ نہ رکھتے تھے اس لئے ان کے لئے یہ بات باعث تشویش نہ تھی مگر مسلمانوں کی تعلیم کا تمام مواد مذہب سے آتا ہے اور چونکہ عیسائیت سے متعلق سائنس اور معاشرتی علوم میں جو خیالات ونظریات پیش کئے جاتے وہ مسلمانوں کے نظریات سے ٹکرانے لگے اور وہ انگریزی علوم حاصل کرنے سے گریز کرنے لگے۔ دوسری طرف تعلیمی رپورٹ میں لکھا تھا کہ یہاں کے لوگوں کی اخلاقی حالت پست تھی اور ان کی سوسائٹی ذلیل تھی۔ ان خرابیوں کی اصلاح قوانین کے نفاذ سے نہیں ہوسکتی تھی۔ دراصل یہاں کی تمام خرابیوں کی جڑ ان کی مذہبی رسمیں تھی جن کی روح ان کے قوانین میں موجود تھی اور جو ان کے جھوٹے، ناپاک، قابل مضحکہ مذہبی اصولوں میں مضمر تھی۔ ان تمام برائیوں کا واحد علاج یہی تھا کہ انگریز اپنے ربانی مذہب کے خاص اور پاک اصولوں کی روشنی ان تک پہنچائیں [۱۵]۔

کمپنی کی لسانی پالیسی دورخی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کے لوگ متحد نہ ہو پائیں۔ چنانچہ اردو زبان کو فروغ بھی اسی کا حصہ تھا۔ اردو کا فروغ شمالی ہند اور دکن میں سرکاری اور عدالتی زبان کی حیثیت سے ہوتا رہا۔ اردو زبان کی ترویج کا مقصد یہ تھا کہ بالحاظ مذہب وملت پوری ہندوستانی قوم کا مزاج اور انداز فکر یہ بدل جائے جو صدیوں کی مسلمانوں کی علمی صحبت اور فارسی زبان کے زیر اثر پیدا ہوا تھا۔ مگر اردو کو نافذ کر کے پھر اس کے مقابلے میں علاقائی زبانوں کو بڑھا کر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہر صوبے میں اختلاف کی بنیاد ڈالی گئی۔ کہیں بنگالی اردو کہیں ہندی اردو اور بعض جگہ علاقائی بولیوں اور زبانوں کا تصادم کرا کے وحدت قومی اور وحدت خیال کو پارہ پارہ کیا گیا۔ جیسے پنجاب میں گورمکھی رسم الخط اور فارسی رسم الخط میں لکھی گئی پنجابی کے سلسلے میں ہوا۔ اردو کے نفاذ کے وقت مسلمانان ہند کو وقتی طور ذہنی صدمے سے نجات مل گئی کہ اردو فارسی کے بہت قریب تھی۔ مگر یہ حالت زیادہ دیرپا نہ تھی اور اردو کو بھی خارج کیا جانے لگا اور اسکی جگہ انگریزی زبان لینے لگی [۱۶] اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگریزی زبان ضروری قرار دی گئی۔

اس سارے ذہنی خلفشار کو پیدا کر کے اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگریزی زبان کو ذریعہ قرار دے کر انہوں نے لوگوں کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج کردی اور ذہنیت کو متغلب کردیا اور جو طاقت حصول علم میں صرف ہونا چاہئے تھی وہ ایک غیر زبان کے سیکھنے میں خرچ ہونے لگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طلبا بغیر سمجھے رٹا لگا کر امتحان پاس کر لیتے۔ اس تعلیم نے انہیں ایک سند تو دلا دی اور سرکاری نوکری کے دروازے بھی کھول دئے مگر علوم وفنون کے اصل خزانوں تک ان کی رسائی نہ رہی۔ ایسی تعلیم جو انسان کی سوچ کو سیقل کر کے اسکو ایک بہتر انسان بنا سکے ناممکن بنادی گئی اور سوچنے سمجھنے کی قوت کمزور پڑنے سے کسی علم وفن سے جو اصلی لیاقت اور جسارت پیدا ہوتی ہے وہ مفقود ہوگئی۔ تعلیم وتحقیق کا معیار ایسا پست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا کہ سارے قدرتی ذرائع اور وسائل کے باوجود خصوصاً مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔ ادھر جوں جوں انگریزوں کے قدم جمتے گئے مغربی اثرات آہستہ آہستہ نفوذ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ لال قلعے میں بھی انگریزی اثرات بعض شہزادوں کے رہن سہن، پہننے اوڑھنے اور تعمیر مکانات کے سلسلے میں ظاہر ہوئے۔ ۱۸۲۷ء میں مقامی شہزادوں، سرداروں اور شرفاء نے ۲ لاکھ پندرہ ہزار روپے چندہ یورپی علوم کی ترویج کے لئے دیا[۱۷]۔

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے جو گورنر جنرل کی کونسل کا رکن اور تعلیمی کمیٹی کا صدر تھا، نے ایک رپورٹ تیار کی جسکی روشنی میں کونسل کی قطعی پالیسی متعین کی گئی۔ میکالے نے انگریزی زبان کے واسطے سے مغربی علوم وفنون کی تعلیم دینے کی پرزور حمایت کی اور لکھا کہ ایک اچھے یورپی کتب خانے کی ایک الماری ہندوستان اور عرب کے سارے لٹریچر پر بھاری تھی اور جو شخص انگریزی جانتا تھا اسے دنیا بھر کی عقلمند ترین اقوام کے ذہنی ورثے تک رسائی حاصل ہو جاتی تھی[۱۸]۔ اس نے لکھا کہ انگریزی زبان ہندوستان کے حکمرانوں کی زبان تھی اور حکومت کے مراکز میں دیسی لوگوں کا بالائی طبقہ بھی یہی زبان بولتا تھا اور گمان غالب یہی تھا کہ یہ زبان تمام مشرقی سمندروں میں باہمی رابطے کی زبان بن جائے گی۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ دیسی زبانیں اتنی ترقی یافتہ نہ تھیں کہ علوم مغربی کی تعلیم ان کے ذریعے دی جا سکے۔ ۱۸۳۵ء ہی میں ایک کمیشن کا تقرر عمل میں لایا گیا جس کے نتیجے میں حکومت نے مسلمانوں کے بیشتر اوقاف کو جو اسلامی مدارس کے لئے وقف تھے ضبط کر لیا[۱۹]۔ میکالے نے عربی اور سنسکرت کتابوں کی چھپائی بند کرنے اور سنسکرت کالج کلکتہ کو بند کرنے اور مشرقی علوم کے لئے امداد نہ دینے کا مشورہ دیا[۲۰]۔ جس کے جواب میں لوگوں نے تیس ہزار دستخطوں سے اس تجویز کے خلاف احتجاج کیا۔

۱۸۵۴ء میں کمپنی کے ڈائریکٹروں کا وہ تاریخی مراسلہ آیا جو ۱۸۳۵ء کے فیصلے کی تشریح میں ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی منشور کا مرتبہ رکھتا تھا۔ اس مراسلے میں تعلیمات کے محکموں کا قائم ہونا طے پایا اور یونیورسٹیوں کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا۔ پھر مدرسے سے لے کر یونیورسٹی تک ہر منزل کے لئے ایک مفصل اور مربوط تعلیمی نظام پورے ہندوستان کے لئے مرتب کیا گیا[۲۱]۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد نہ صرف مسلمانوں کی صدیوں پرانی حکومت کا خاتمہ کر دیا بلکہ ان کے معاشرے کو بھی زیروزبر کر کے رکھ دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے خاص طور پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی آخری کوشش کی[۲۲]۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو ان کی اس جرات کی سخت سزا دی اور لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعدازاں عام معافی کے اعلان کے بعد ان کی جان بخشی تو کر دی گئی مگر ان کو معاشی واقتصادی مار دینی شروع کر دی۔ اکثر خاندانوں کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کو مفلس وقلاش بنا دیا گیا اور ساتھ ہی ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے اور ان کے مقابلے میں ہندو قوم کو آگے بڑھایا گیا[۲۳]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ سرکاری ملازمتوں کے لئے انگریزی تعلیم اور انگریزوں کے لائے ہوئے علوم کے حصول کو لازمی قرار دیا گیا۔ مگر ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں نے ان علوم کو ترک کر کے اپنی توجہ دینی علوم کی طرف مرکوز کر دی۔ ۱۸۶۶ء میں دار العلوم دیو بند کا قیام عمل میں آیا اور وہاں قرآن، تفسیر، حدیث اور متعلقہ علوم کی تدریس ہونے لگی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اور ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے دشمنی اور عناد کا جذبہ پیدا کیا۔ اس صورت حال کو سرسید احمد خان نے محسوس کیا اور انھوں نے مسلمانوں کی ملی اور قومی روایات کا تحفظ کرتے ہوئے انہیں انگریزی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے لئے علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او کالج قائم کیا جو بعد میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ اس وقت تک ہندوستان میں ایک طبقہ انگریزی تعلیم کا پرزور مطالبہ کرنے لگا۔ اپریل ۱۸۵۷ء میں کلکتہ یونیورسٹی میں انٹرنس کا پہلا امتحان لیا گیا تھا جو ہندوستان بھر میں اپنی قسم کا پہلا امتحان تھا۔ اسی سال بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ اس وقت تمام لوگوں کے لئے ایک ہی طرح کی تعلیم کو رواج دیا گیا۔ مگر جلد ہی ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے لئے علیحدہ درسگاہوں کی ضرورت محسوس کی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ہندو یونیورسٹی بنارس اسی احساس کا نتیجہ تھیں۔ ان یونیورسٹیوں کے قیام سے پہلے بھی مختلف اسلامی اور ہندو کالج قائم تھے۔ دار العلوم دیو بند اور علی گڑھ یونیورسٹی دونوں ادارے مسلمانوں کے مفاد کے لئے کام کر رہے تھے۔ مگر دونوں کی راہیں مختلف تھیں۔ ایک نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اور دوسرے نے مصلحت انگریزی میں عافیت سمجھی۔ ایک نے قومی ثقافت کے تحفظ کے لئے کام کیا اور دوسرے نے معاشرتی تغیر کے لئے راہ ہموار کی[۲۵]۔ مگر دار العلوم دیو بند اور پھر ندوۃ العلماء بھی انگریزی تعلیم کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے اور انھوں نے اپنے ہاں انگریزی طریقہ امتحان رائج کیا اور فارسی کے بجائے اردو کو رائج کیا[۲۶]۔

انگریزی زبان کی ترویج سے برصغیر پاک و ہند میں جدید دور شروع ہوا۔ پیشہ ور متوسط طبقہ خصوصاً سرکاری عمّال کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ریاست روزگار فراہم کرنے والا سب سے بڑا ادارہ بن گئی۔ چنانہ سرکاری زبان انگریزی طاقت واختیار کی کنجی قرار پائی۔ مقامی زبانیں صرف گورنمنٹ کے ہائی سکولوں تک پڑھائی جاتیں۔ امراء کے بچے چیفس کالجوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرتے۔ متوسط طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو یورپین سکولوں یا کانونٹ میں بھیجتے جنکے اخراجات کافی زیادہ تھے اور عام لوگ یہاں اپنے بچوں کو نہیں پڑھا سکتے تھے۔ چنانچہ مقامی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء صرف درمیانے درجے کی ملازمت ہی حاصل کر سکتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختتامیہ:

انگریزوں نے برصغیر پاک وہند میں اپنے عہد حکومت کے اوائل میں یہاں کی زبان فارسی کو جوں کا توں رہنے دیا مگر پھر فارسی کو ہٹا کر آہستہ آہستہ حکومت کی نچلی سطح پر اردو اور مقامی زبانوں کو رائج کیا اور اعلیٰ سطح پر انگریزی کو استعمال کیا جانے لگا۔ تعلیمی میدان میں بھی پہلے عربی و فارسی اور سنسکرت کو اہمیت دی جاتی رہی پھر تمام سکولوں کالجوں میں انگریزی اور مغربی علوم پڑھائے جانے لگے۔ مگر اعلیٰ تعلیم صرف انگریزی میں ہی حاصل کی جاسکتی تھی۔ فارسی کے جانے سے مسلمانوں کی ثقافتی بالادستی ختم ہوگئی اور مسلمانوں کے دور کی آخری نشانی بھی ختم ہوگئی۔ مقامی زبانوں کے بولنے والوں نے خود کو ایک متحد قوم سمجھنے کے بجائے قومیتوں کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا۔ انگریزی کے نفاذ کے ساتھ ہی یہاں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ہندوستان اور برطانیہ کے مستشرقین اور قدامت پسندوں کو شکست ہوئی جو ہندوستان کی پرانی ثقافت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور ایک نئی اور جارحانہ سامراجیت کا آغاز ہوا۔ اب ہندوستان برطانیہ کے لئے پہلے کی طرح پراسراریت اور دانش کا مرکز نہ رہا تھا۔ بلکہ ایک ایسا علاقہ تھا جو کہ پس ماندہ، جاہل اور توہم پرست لوگوں کا ملک تھا۔ جسکی انہیں جدید علوم اور جدید سوچ کے ذریعے اصلاح کرنا تھی۔ اس مقصد کے لئے انگریزی زبان سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ یہاں لوگوں نے انگریزی زبان سیکھی اور یہ انگریزی دان طبقہ انگریز حکام کے ماتحت کام کرنے لگا اور سامراج کا مددگار بن گیا۔ مگر انہی میں سے ایک حصہ ایسا نکلا جس نے انگریزوں کے نظریات اپنا کر سامراج کی مخالفت کی اور اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے لگے۔ اسی جدوجہد کے نتیجے میں برصغیر ہندو پاک آزاد ہوا اور مملکت پاکستان وجود میں آئی۔

دوسری خاص بات جو اس تمام لسانی سرگرمی کے نتیجے میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ یہاں مقامی زبانوں پر خاصا تحقیقی کام ہوا۔ مقامی زبانوں میں اگرچہ ادبی روایت تو پہلے سے موجود تھی مگر انگریزوں نے ان کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کر کے لوگوں کے لئے ان کتابوں کے حصول کو آسان بنا دیا۔ پھر املا کے لحاظ سے تمام زبانوں اور بولیوں کو ایک معیاری شکل دی گئی۔ اس کے علاوہ جب یہ حکومتی اور عدالتی سطح پر استعمال ہونے لگیں تو جدید خطوط پر ان کی چھپائی کا کام ہوا۔ نیز ان کی ڈکشنریاں مرتب ہوئیں۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے انگریزی زبان میں بے تحاشہ تحقیقی کام کیا جیسے مختلف علاقوں کے لوک قصوں پر کام کیا گیا۔ نیز سرکاری افسران نے اپنی یادداشتیں اور اپنے اپنے علاقے کی تاریخ مرتب کی جس کا بنیادی مقصد اپنے علاقے کے سماجی حالات کو سمجھنے کی کوشش تھا۔ اس طرح اپنے ضلع کے سرکاری اعداد و شمار جیسے مردم شماری اور مختلف قبائل اور ذاتوں کے بارے میں معلومات بھی جمع کر کے شائع کی جاتیں تھیں۔ یہ ڈسٹرکٹ گزیٹیرز اس دور پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک اہم ماخذ کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱) ڈاکٹر ظہور احمد، پاکستان میں فارسی ادب، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، ۱۹۷۷ء، ۶، ۷

۲) ڈاکٹر احمد شبلی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ (مترجم محمد حسین خان زبیری) لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، ۱۹۶۳ء

۳) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ہندی اردو تنازع، اسلام آباد، قومی کمیٹی برائے سوسالہ تقریبات پیدائش قائد اعظم محمد علی جناح، حکومت پاکستان، ۱۹۷۷ء، ۴، ۱۵

۴) ایضاً، ۱۷-۱۹

۵) سید فیاض محمود، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، آٹھویں جلد، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ۲، ۱

۶) پروفیسر بختیار حسین صدیقی، مسلمانوں کی تعلیمی فکر کا ارتقاء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۳ء، ۱۲۵

۷) باری، کمپنی کی حکومت، لاہور، نیا ادارہ، ۱۹۶۹ء، ۴۱۱-۴۱۳

۸) پروفیسر حمید احمد خان، تعلیم و تہذیب، (مجموعہ خطبات و مقالات)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء، ابتدائیہ

۹) ایضاً-

۱۰) سید فیاض محمود، حوالہ سابقہ

۱۱) سید مصطفیٰ علی بریلوی، انگریزوں کی لسانی پالیسی، کراچی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۷۰ء، ۵

۱۲) عبادت بریلوی، نفسیات ہندی، اورینٹل کالج میگزین، فروری، ۱۹۷۹ء جلد ۵۵: ۲، ۱، لاہور یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۳

۱۳) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، بحوالہ سابقہ، ۴۳، ۴۴

۱۴) ایضاً، ۴۳، ۴۷

۱۵) پروفیسر حمید احمد خان، بحوالہ سابقہ، ۱۹

۱۶) سید مصطفیٰ علی بریلوی، بحوالہ سابقہ، ۵۸، ۷۷

۱۷) Dr. Tariq Rahman, *Language of Politics in Pakistan*, Karachi, Oxford University Press, 1996, 35

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸) پروفیسر حمید احمد خان، بحوالہ سابقہ، ۱۸

۱۹) پروفیسر عبدالرشید خان، مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا کردار، جلد اول، کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۸۶ء، ۸۶

۲۰) طارق رحمٰن، بحوالہ سابقہ

۲۱) پروفیسر حمید احمد خان، بحوالہ سابقہ، ۱۹

۲۲) پروفیسر عبدالرشید خان، بحوالہ سابقہ، مقدمہ ثناءاللہ صدیقی، ۹

۲۳) سید مصطفیٰ علی بریلوی، بحوالہ سابقہ، ۹۸

۲۴) پروفیسر حمید احمد خان، بحوالہ سابقہ، ۲۰

۲۵) پروفیسر بختیار حسین صدیقی، بحوالہ سابقہ، ۱۲۵

۲۶) طارق رحمٰن، بحوالہ سابقہ، ۹۲

© rasailojaraid.com